”عکس اسرار خودی“

ڈاکٹر عصمت جاوید

علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کے بیان میں ”مثنوی اسرار خودی“ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی ڈاکٹر نکلسن نے اسے انگریزی زبان کے قالب میں ڈھالنے کا عزم کیا۔ علامہ کی کسی تصنیف کا کسی بھی زبان میں یہ پہلا ترجمہ تھا۔ بعد ازاں اردو زبان میں اس کتاب کا منظوم ترجمہ کرنے کی متعدد قابلِ قدر کوششیں ہوئیں، انہی میں ایک گراں قدر اور کامیاب کاوش ڈاکٹر عصمت جاوید کی ہے جسے دہلی کے مرکزی مکتبہ اسلامی نے عکس اسرار خودی کے زیر عنوان کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ فکر اقبال چونکہ ہماری رائے میں اکثر و بیشتر افکار قرآنی ہی کی ترجمانی پر مشتمل ہے لہٰذا علامہ کے فارسی کلام کو اردو داں قارئین تک منتقل کرنے کے لئے اس کتاب کی قسط وار اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

تمہید

نیست در خشک و ترِ بیشۂ من کوتاہی
چوبِ ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم
— نظیری نیشاپوری

مار کر شب خوں جو نکلا آفتاب
کھل اٹھے اشکِ مسرت سے گلاب

خواب رخصت چشمِ نرگس سے ہوا
میرے نغمے سن کے سبزہ جاگ اٹھا

میں لٹاتا ہوں زرِ گل بے دریغ
شعر بو کر کاٹتا ہوں فصلِ تیغ

میرے تخمِ اشک میں جوشِ نمو
میرے نالے ہیں چمن کا تار و پو

ڈالتا ہوں آفتابوں پر کمند
لاکھ صبحیں ہیں مری مٹھی میں بند

خاک میری جامِ جم سے پختہ تر
رازِ دو عالم کی رکھتی ہے خبر

ایسے آہو ہیں مرے فتراک میں
جو ہیں ناپیدا لباسِ خاک میں

سبزۂ نارُستہ گلشن میں مرے
ہیں گل اندر شاخ دامن میں مرے

کرکے برہم محفلِ باغ و بہار
میں نے چھیڑا ہے رگِ عالم کا تار

سازِ فطرت ہے مرا نادر نوا
دوست نغموں سے مرے ناآشنا

اس جہاں میں مہرِ نوزائیدہ ہوں
رسم و آئینِ فلک نادیدہ ہوں

رم کریں انجم، کہاں مجھ میں وہ آب
ہے مری فطرت ابھی کم اضطراب

میں ابھی تک بحر پر آیا نہیں
بن کے لالی کوہ پر چھایا نہیں

پھر وہ کیا جانے مرا رقصِ ضیا
پھر یہ کیا سمجھے مرا رنگِ حنا

مجھ سے نامانوس چشمِ ہست و بود
کانپ اٹھتا ہوں، وہ ہے خوفِ نمود

شبنمِ نو ہوں، برافگندہ نقاب
صبح دم نکلا ہوں مثلِ آفتاب

صبح خیزوں کا ہے مجھ کو انتظار
آگ ہوں! آتش پرستوں کو پکار

نغمہ ہوں، پر بے نیازِ ساز ہوں
شاعرِ فردا کی میں آواز ہوں

مثلِ یوسف کیا بکوں بازار میں
ہے زمانہ میرا اندھے غار میں

اور تہی داماں ہیں یارانِ قدیم
طور میرا آج بھی مانگے کلیم

میرے یاروں کا ہے دریا بے خروش
اور مرے قطروں میں ہے دریا کا جوش

دوسرا ہے میرے نغموں کا جہاں
یہ جرس اس کارواں کا ہے کہاں؟

کتنے شاعر مر کے زندہ ہو گئے
نیند سے ہم کو جگا کر سو گئے

مر کے وہ زندوں میں پھر سے آ ملے
پھول بن کر اپنی قبروں پر کھلے

ان کے کتنے کارواں گزرے خموش
جیسے اونٹوں کا خرامِ بے خروش

میں ہوں عاشق، نالہ ہے عادت مری
شورش و ہنگامہ ہے فطرت مری

میں وہ نغمہ، جو نہ سنبھلے ساز سے
ساز بھی ٹوٹے مری آواز سے

دور میرے زورِ طوفاں سے رہے
کہہ دو قطرے سے کہ دریا میں بہے

کیا سنبھالے زورِ بے پایاں مرا
بحر کے بس کا نہیں طوفاں مرا

جو کلی کھلتی نہ ہو گلزار وار
اُس پہ کیا ریجھے مرا ابرِ بہار

بجلیاں خوابیدہ میرے دل میں ہیں   کتنے طوفاں میرے آب و گِل میں ہیں
دشت تو، میں سیل اے میرا سلام   طور بن کر بڑھ، مری بجلی کو تھام
ہوں ازل سے محرمِ تابِ حیات   مجھ کو قدرت سے ملا آبِ حیات
میرا نغمہ سن کے، ذرّہ جی اٹھے   بن کے جگنو ہر طرف اُڑنے لگے
اس جہانِ راز میں میرے سوا   فاشِ رازِ زندگی کس نے کیا؟
سِرِّ عیشِ جاوداں، آ مجھ سے سیکھ   دین و دنیا ساتھ پانا، مجھ سے سیکھ

بند میں رکھوں لبِ اعجاز کیا
کوئی اپنوں سے چھپائے راز کیا

ساقی دلبر مجھے وہ جام دے   غم بھلا کر جو مجھے آرام دے
آبِ زمزم سے بنی ہو یہ شراب   جس کے آگے جامِ جم ہو آب آب
جس کو پی کر تیز تر ہو فکرِ تیز   دیدۂ بیدار ہو عشرت گریز
کاہ کو جو کوہِ باعظمت کرے   بزدلوں میں شیر کی طاقت بھرے
خاک کو جو رفعتِ افلاک دے   ذہن کو اندیشۂ بے باک دے
جس سے قطرے کو ملے دریا کا جوش   ذرّۂ ناچیز ہو صحرا بدوش
جس سے خاموشی میں ہو محشر کا شور   جس کو پی کر باز پر جھپٹے چکور
ہاں اے ساقی وہ شرابِ ناب دے   جو شبِ اندیشہ کو مہتاب دے
میں کروں بھٹکے ہوؤں کی رہبری   دوں غلاموں کو میں ذوقِ سروری
جستجوئے نو کی میں دُھن میں چلوں   آرزوئے نو کی گرمی سے جلوں
چشمِ اہلِ ذوق کی پُتلی بنوں   گوشِ عالم میں صدا بن کر رہوں
روتی آنکھوں کو گُلِ لالہ کروں   قیمتِ جنسِ سخن بالا کروں
کھول دوں پھر لے کے نامِ پیرِ روم   دفترِ سربستۂ رازِ علوم
جانِ رومی میں دہکتے شعلہ زار   ہیں، فروغِ یک نفس، مثلِ شرار
شمعِ سوزاں آئی جب خود چل کے پاس   گم ہوئے پروانے کے ہوش و حواس

فیضِ پیرِ روم سے اکسیر ہے — خاک میں میری نمِ تعمیر ہے
میں کہ ذرّہ جب زمیں سے اُڑ گیا — اپنے سورج سے بالآخر جڑ گیا
بحرِ رومی میں ہوں مثلِ موج، مَیں — گوہرِ نایاب جس کی تہہ میں ہیں

اس کے ساغر ہی سے پیتا ہے غلام
لے کے اس کی سانس جیتا ہے غلام

شب، مرا دل مائلِ فریاد تھا — نعرۂ "یارب" مجھے بس یاد تھا
شاکیٔ دوراں میں ہوتا تھا کبھی — خالی پیمانوں پہ روتا تھا کبھی
اِن خیالوں میں الجھ کر کھو گیا — پھر میں سوتے سوتے آخر سو گیا
خواب میں دیکھا کہ پیرِ معنوی — راقمِ قرآں بحرفِ پہلوی
کہہ رہا ہے مجھ سے اے بیتابِ عشق — کیوں نہیں پیتا شرابِ نابِ عشق؟
دل میں محشر کر بپا دیوانہ وار — نشترِ آنکھوں پر تو سرِ شیشے پہ مار
قہقہوں کو شورشِ جیحوں بنا — پھر جگر پاروں کو اشکِ خوں بنا
کیوں ہے چپ، منہ بند کلیوں کی مثال — عام کر دے، مثلِ گل، بوئے کمال
ہے سپندِ دل ترا ہنگامہ دار — آگ سے ہوتا نہیں کیوں ہمکنار
تو جرس ہے اپنا سرمایہ اچھال — نالۂ خاموش کو باہر نکال
آگ سے تیری ہو روشن یہ جہاں — عام کر دے اپنا تو سوزِ نہاں
فاش کر اسرارِ پیرِ مے فروش — جام میں اپنے سما جا بن کے جوش
فکر کے شیشے کی کیسی دیکھ بھال! — لا کے چوراہے پہ اُس کو توڑ ڈال
دے نیستاں کی خبر تو مثلِ نَے — کچھ تو لیلیٰ کی سنا تو قیس ہے!
طرزِ نالہ اک نئی ایجاد کر — ہائے و ہو سے بزم کو آباد کر
بن کے جانِ نو، ہر اک جاں میں سما — کہہ کے "قُم" زندوں کو زندہ تر بنا
جادۂ نو کی طرف رخ موڑ دے — طرزِ رفتارِ کہن کو چھوڑ دے
چپ نہ رہ، رازِ دروں اب سب پہ کھول — تو درائے کارواں ہے، کچھ تو بول!

سن کے یہ' بھڑکی مری رگ رگ میں آگ   مثلِ نے' ڈھلنے لگے سینے میں راگ
بن کے نغمہ جب میں پھوٹا ساز سے   دم بخود سب تھے مری آواز سے

لے کے اپنے ہاتھ میں سازِ خودی
میں سنانے لگ گیا رازِ خودی

○

نقشِ ہستی میرا اک خاکہ سا تھا   ناقص و بے کار و ناکارہ سا تھا
جب تراشا عشق نے، آدم بنا   عالمِ کیف و کمِ عالَم بنا
نبضِ گردوں کی سنی ہے گفتگو   چاند کی رگ رگ میں دیکھا ہے لہو
کتنا رویا ہوں میں انساں کے لیے   رازِ ہستی تب کہیں مجھ پر کھلے
میں نے دیکھی کارگاہِ ممکنات   میں نے کھولا سِرّ تقویمِ حیات
چاند اگرچہ ہوں اندھیری رات کا   ملتِ بیضا کا ہوں میں گردِ پا
ملتِ بیضا ہے مشہورِ جہاں   جس کے نغموں سے جہاں آتش بجاں
جس کے خرمن میں ہیں دانوں کی مثال   رومی و عطّار جیسے باکمال
میں نکالوں آگ اپنے راگ سے   ہوں دھواں، لیکن ہے نسبت آگ سے
فیضِ فکرِ تیز سے میرا قلم   رازِ ہستی کھولتا ہے دمبدم

تاکہ قطرہ ہمسرِ دریا بنے :
ذرّہ پھیلے، پھیل کر صحرا بنے !

○

میں نے کی منظوم جو یہ مثنوی   اس سے کب مقصد ہے میرا شاعری
دیکھ اِس میں صرف جوشِ اندروں   بت پرستی، بت گری میں کیوں کروں
فارسی بولی سے میں بیگانہ ہوں   مثلِ ماہِ نو، تہی پیمانہ ہوں
حسنِ اندازِ بیاں' مجھ میں نہ ڈھونڈ   خوانسار و اصفہاں' مجھ میں نہ ڈھونڈ
یوں تو ہندی بھی ہے پیاری پارسی   اس سے پیاری ہے زبان فارسی

فارسی میں فکر میری شعلہ دم اس میں نخلِ طور ہے میرا قلم
رفعتِ اندیشہ کی فطرت شناس یہ زبانِ دل مجھے آئی ہے راس
گر ہے بینا، رنگِ مینا سے گزر
بادۂ مینا پہ رکھ اپنی نظر

بقیہ: حرفِ اوّل

میں ان دو مقامات پر مسلسل درس جاری تھا۔ (بعد میں مسجد خضریٰ کا درس مسجد دارُالسّلام میں منتقل ہو گیا۔) لیکن افسوس کہ اتوار کی صبح کی نشست کے ختم ہو جانے کے باعث اس مسلسل درس کا سلسلہ بہت سست رفتاری سے آگے بڑھ سکا۔ چنانچہ ان سطور کی تحریر کے وقت تک (یعنی فروری ۱۹۸۹ء تک) یہ درس اٹھائیسویں پارے کے اختتام تک پہنچ سکا ہے۔"

اس سلسلہ وار درس قرآن حکیم کی تکمیل ہفتہ ۹ر نومبر کو قرآن آڈیٹوریم میں ہوئی۔ اس اہم موقع پر مرکزی انجمن کی جانب سے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں بعض اہل علم و دانش کو عظمتِ قرآن حکیم اور اہمیتِ درس قرآن کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ اظہارِ خیال کرنیوالوں میں جناب خرم جاہ مراد، ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، ڈاکٹر خالد علوی، پروفیسر حافظ احمد یار، حافظ نذر احمد اور مولانا عبدالرحمٰن اشرفی شامل تھے۔ اس باوقار اور تعداد سامعین کے اعتبار سے پُررونق تقریب کی قدرے مفصل روداد "ندا" کے ۳۰ر نومبر کے شمارے میں شامل ہے۔ تاہم ہمارے اعتبار سے اہم تر بات یہ ہے کہ تکمیلِ درس قرآن کی یہ تقریب سلسلہ وار درس قرآن کے دوسرے دَور کی تمہید ثابت ہوئی۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اعلان کیا کہ آئندہ ہفتے یعنی ۱۶ر نومبر سے اسی قرآن آڈیٹوریم میں سلسلہ وار درس قرآن کا از سرِ نو آغاز کر دیا جائے گا۔ آئندہ یہ درس ہفتے میں ایک بار نہیں دو بار ہو گا یعنی ہفتہ و اتوار۔ مزید یہ کہ تمہید کے طور پر پہلے دو خطابات "تعارف قرآن" کے موضوع پر ہوں گے۔ (اس ضمن میں جو ہینڈ بل، ماڈل ٹاؤن اور گارڈن ٹاؤن میں تقسیم کیا گیا اس کا عکس زیر نظر شمارے کے صفحہ ۳۴ پر طبع کر دیا گیا ہے)۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس مبارک سلسلے کو شرف قبول عطا فرمائے اور قرآن حکیم کے چشمہ ہدایت سے استفادے کا یہ سلسلہ تادیر باقی رہے۔

❋❋❋